"بس۔۔۔ بہت ہوگیا۔" وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

"آپ لوگ میری کوئی بات سننے پہ تیار ہی نہیں۔"

"واہ۔۔۔ اب ہم لوگ ہوگئے۔" نیاز احمد نے اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں جتایا اور ان کی زوجہ محترمہ کے پہلے سے بہتے آنسوؤں کی روانی میں اضافہ ہوا۔

"ابو جان۔۔۔ آپ تو میری ہر بات پکڑ لیتے ہیں۔"

وہ زچ ہوا۔ پچھلے کئی روز سے وہ اپنا مؤقف انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہر بار یہ گفتگو ایک نہ ختم ہونے والی بحث میں تبدیل ہو جاتی تھی۔

امی جان کا رونا دھونا۔۔۔

ابو جان کے طعنے تشنے۔۔۔

فائزہ افتخار

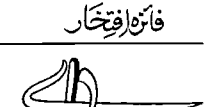

باجی کے اپنے دکھڑے تھے۔۔۔

دکھڑے اس کے بھی کم نہ تھے۔۔۔ مگر اس کی سنانے کی باری ہی نہ آتی تھی۔ وہ تین ایک طرف تھے' دوسری جانب وہ اکیلا۔

"میاں! آخر کیا کریں۔۔۔ تمہیں پکڑ نہیں سکتے۔۔۔ اب کیا تمہاری بات بھی نہ پکڑیں۔۔۔ انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا ہے تمہیں۔"

حمزہ کے لبوں پہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ابو جان کا یہ مخصوص فقرہ۔۔۔ جسے وہ اس کے سامنے تسلسل سے دہراتے رہتے تھے' اسے سن کر ہمارا سے ساتھ اور ستر کی دہائیوں میں بننے والی فلموں کی ماؤں کا وہ مشہور زمانہ ڈائیلاگ یاد آجاتا تھا۔

"میں نے نو مہینے اپنی کوکھ میں تمہیں رکھا ہے۔۔۔ میں تمہیں اپنا دودھ بخشیں گی اگر تم نے۔۔۔" وغیرہ وغیرہ۔

شاید ابو جان بھی اپنا انگلی پکڑ کے چلانا اسے بخشنا نہیں چاہتے تھے۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کے نیاز احمد چڑ گئے۔

"تمہارا بخار' دانت نکال رہا ہے۔"

"آرام سے ابو جان!" باجی نے انہیں دھیما کرنا چاہا۔

"پیار سے سمجھائیں سمجھ جائے گا بچہ ہے۔"

اپنی طرف سے تو انہوں نے حمزہ کی حمایت کی تھی مگر وہ نجانے کیوں تپ گیا۔

"بچہ نہیں ہوں' تین بچوں کا باپ ہوں۔"

"ہم پہ اپنے تین بچوں کا رعب ڈالنے کی ضرورت نہیں۔" نیاز احمد گرجے۔ "جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔"

"کیا مطلب؟" اس موقع پہ محاورے دانی کا استعمال اسے ذرا سمجھ میں نہ آیا۔

"بھئی ہم نے تو تمہارا ایک ہی بچہ دیکھا ہے۔ باقی کے دو تو تم نے ماں باپ کی نظر سے چھپا کے رکھے ہوئے ہیں۔"

ان کی اس بات پہ امی جان کے دکھ جیسے پھر سے ہرے بھرے ہوگئے۔ آنسو کچھ اور تیزی سے بہنے

لگے۔

"اوہو امی جان! آپ تو چپ کریں رو رو کر طبیعت خراب کرلیں گی اپنی۔" اس نے ان کے گرد اپنا بازو لپیٹ کے چپ کرانا چاہا۔

"کون سی نئی بات ہوگی ۔۔۔ طبیعت تو اس دن کی آئے دن خراب رہتی ہے۔ آج تم بھی دیکھ لینا ۔۔۔ شاید دل پگھل جائے۔"

"اتنی دور گھر سے میرا ۔۔۔ جب بھی ابو جان کا فون آتا ہے کہ امی ٹھیک نہیں ۔۔۔ فوراً نکل پڑتی ہوں اور سارا راستہ دل ہولتا رہتا ہے مگر تمہیں کیا۔" باجی نے بھی دبی دبی ناراضی دکھائی۔

"آپ لوگ ایسا کیوں سمجھتے ہیں کہ مجھے اس بات کا کوئی احساس نہیں ہے۔ کیا یہ میری ماں نہیں ہیں؟ کیا میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہوں؟ کیا اپنے فرائض پورے نہیں کر رہا؟"

"سات سمندر پار بیٹھ کر تم کون سے فرض ادا کر رہے ہو' میاں ۔۔۔! ہر مہینے ڈالروں کا ڈرافٹ بھیج دینا ہی سب سے اہم فرض نہیں ہوتا۔"

"سب سے اہم نہ سہی مگر بہرحال فرض تو ہوتا ہے نا ۔۔۔ میں سب چھوڑ چھاڑ یہاں آجاؤں ۔۔۔ دن رات امی کی ٹانگیں دباؤں ان کی گود میں سر رکھ کے لیٹا رہوں ۔۔۔ اپنے ہاتھ سے دوائیں کھلاؤں ۔۔۔ تب آپ خوش رہیں گے؟ چاہے یہ ایک فرض جو آپ کی نظر میں غیر اہم ہے' یہ میں ادا کروں یا نہ کروں ۔۔۔ بتایئے؟ تب گزارا ہو جائے گا؟"

"تم ہو ہی ہٹ دھرم ۔۔۔ ضدی۔" نیاز احمد کے پاس اس سوال کا کبھی بھی کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے ڈانٹنے لگے۔

"معاف کیجیے گا ابو جان ۔۔۔ مگر جس طرح آپ اپنی ضد پہ اڑے ہوئے ہیں اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میں نے اپنی ضد کہاں سے لی ہے۔"

اتنا کہہ کے وہ رکا نہیں اور کمرے سے نکل آیا۔ لاؤنج میں آکر وہ ٹھنڈے پانی کے بڑے بڑے گھونٹ بھر تا اپنے غصے کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اندر سے آتی آوازیں اس کی جھنجلاہٹ میں اضافہ کر رہی تھیں۔

"دیکھی اس کی زبان ۔۔۔ نظروں سے دور رہ کے بدلحاظ ہو گیا ہے۔ سارا امریکہ کے پانی کا اثر ہے۔ ابو جان گرج رہے تھے۔

"رہنے بھی دیں ابو جان ۔۔۔ ایسا کیا کہہ دیا اس نے بڑی باجی نے پھر حمایت جتائی۔

"آپ نے ابھی بدلحاظ اولاد دیکھیں نہیں۔ ذرا میرے مسرال آکر دیکھیں ۔۔۔ میرے دیور بے حد تمیز اور ادب والے ہیں ۔۔۔ حزہ تو ادب لحاظ والا ہے۔ آپ زیادہ غصہ نہ دلایا کریں اسے آرام سے بات کر کے تو دیکھیں مان جائے گا۔"

"نہیں مانے گا ۔۔۔ تم لکھ لو میری بات ۔۔۔ امریکہ کے جانوروں کی چربی چڑھ گئی ہے اس کی آنکھوں پہ۔"

"لاحول ولا ۔۔۔" اس نے گلاس میز پہ پٹخا اور گھر سے نکل آیا۔

گیٹ پہ کھڑے ہو کے وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس ماحول سے فی الفور نکل جائے ۔۔۔ مگر کہاں جائے ۔۔۔ پچھلے گیارہ سالوں سے وہ ملک سے باہر تھا اور اس دوران صرف دو بار یہاں آیا تھا۔ ایک بار آٹھ سال پہلے اپنی شادی کے موقع پہ ۔۔۔ دوسری بار پانچ سال پہلے بیوی اور بیٹی کے ساتھ ۔۔۔ اب تیسری بار ۔۔۔ اکیلا کیونکہ بیوی اور تین بچوں کے ساتھ آنا ایک تو وہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرا وہ نہیں چاہتا تھا کہ امی ابو اس کے بچوں کو دیکھ کر اور بھی جذباتی ہوں اور اس پہ یہاں رک جانے کے لیے دباؤ ڈالیں مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ دباؤ وہ اس کے اکیلے آنے کی صورت میں بھی ڈال سکتے ہیں۔

حمزہ اور حمائمہ دو ہی بہن بھائی تھے۔ نیاز احمد نے گورنمنٹ سروس عزت اور ایمان داری سے کی تھی اللہ نے بھی اس حلال کمائی میں برکت ڈالی۔ پندرہ سال پہلے انہوں نے ہما کے فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تھے۔ حمزہ کا روزگار امریکہ میں لگا تھا۔ وہ وہاں جا کے بس گیا۔ اب وہ تھے اور ان کی خاموش طبع حلیم المزاج بیگم ۔۔۔ جو بیٹے کی جدائی میں دن رات تڑپتی رہتی تھیں۔ نیاز احمد کا دل بھی کم نہیں تڑپتا تھا مگر اس دکھ نے ان کے اندر موجود غنی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ یوں تو وہ فون پہ بھی اسے وطن لوٹ آنے کی تاکید کرتے رہتے تھے مگر اس بار تو جیسے طے کر کے بیٹھے تھے کہ اسے واپس ٹیں جانے دیں گے۔

"تم ہمیں رکھو یا بیوی بچوں کو بھی بلوالو ۔۔۔ ورنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس تعفنی ملک میں لوٹ جاؤ ۔۔۔ جاتے جاتے زندہ ماں باپ پہ فاتحہ پڑھ کے جانا ۔۔۔ اور پھر بھول جانا کہ یہاں بھی کوئی تمہارا رشتہ باقی ہے ہمیں ڈرافٹ بھیجنے کی غلطی بھی مت کرنا۔"

یہ ان کی نئی ضد اور مطالبہ تھا جسے ماننے سے وہ قاصر تھا۔

کبھی دل چاہتا' صبح صبح پہنچے سے ایئرپورٹ نکل جائے مگر اپنے باپ کی ضد سے واقف تھا۔ جانتا تھا کہ وہ محض دھمکی نہیں دے رہے۔

مجبوریاں ایک طرف ۔۔۔ مگر اتنا بے حس نہیں تھا کہ ان کو ناراض کر کے جا سکتا۔ سو دن رات یہی کوشش جاری تھی کہ انہیں اپنی مجبوریوں کی تفصیل سنا کر راضی کر سکے۔

دوسری جانب وہ اسے راضی کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

گھر میں چوبیس گھنٹے ایک تناؤ کی کیفیت رہتی۔ اور اس وقت شام سے ذرا پہلے وہ امی تناؤ کو کم کرنے کی خواہش لیے گیٹ پہ کھڑا تھا۔

وطن سے دور رہنے کی وجہ سے دوستوں سے رابطہ بھی برائے نام تھا ۔۔۔ نجانے کون کون کہاں کہاں تھا ۔۔۔ ورنہ کسی پرانے دوست کے ہاں جا کے ہی دھیان بٹا لیتا۔ اس سے اسے اپنی سمجھ دار شریک حیات زویا کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

اس نے جیب سے سیل فون نکال کر اس کا نمبر ملانا چاہا مگر پھر دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

"اب اسے کیا پریشان کروں ویسے بھی تین بچوں کے ساتھ پچھلے آٹھ دن سے اکیلی ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور سڑک کے پار دیکھنے لگا۔ یہ گھر پارک کے سامنے تھا اور پارک میں اس وقت خاصی چہل پہل تھی ۔۔۔ بچے کھیل رہے تھے ۔۔۔ عورتیں اور مرد گانگ ٹریک پہ ٹہل رہے تھے۔

اس کا دل بے قرار وہاں جانے کے لیے مچلا ۔۔۔ اس نے گیٹ بند کیا اور پارک کی جانب چل پڑا۔

☆ ☆ ☆

"رہنے دیں شیخ صاحب! رہنے دیں ۔۔۔ میرا دل نہ جلائیں۔" وہ اپنے خیالوں میں مگن پنج پہ میٹھا سا منے جھولا جھولتے بچوں کو غائب دماغی سے دیکھ رہا تھا جب ایک جھنجلائی ہوئی نسوانی آواز نے اسے چونکنے کر سامنے دیکھنے پہ مجبور کیا۔

اس سے ذرا فاصلے پر موجود بنچ پہ وہ دونوں شاید ابھی ابھی آکر بیٹھے تھے کیونکہ کچھ دیر قبل غائب دماغی کی کیفیت میں بھی اسے سامنے کھیلتے رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس بچے صاف نظر آرہے تھے۔

"بیگم صاحبہ! جلی ہوئی چیز کو اور کیا جلایا جائے اب

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ایئر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے'

ستمبر عمران ڈائجسٹ ۳۷ اردو بازار کراچی

تواس کو صرف سمجھ کیا جاسکتا ہے۔"

اس بار یہ چڑانے والا جواب مرد کی جانب سے آیا تھا۔ تمسخر انہ ان کی آوازوں اور پھولے ہوئے سانسوں سے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے امی ابو کی عمر کے ہی ہوں گے۔

"مجھے تنگ نہ کریں شیخ صاحب۔۔۔! یہ کام آپ کی اولادیں زیادہ اچھی طرح کرلیتی ہیں۔۔۔ اور جی بھر کے کرلیتی ہیں۔ آپ وہ بھیجے جس کے لیے آئے ہیں جائیں۔۔۔ جاکے ملیں۔۔۔"

"چلیں؟" مرد نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا جس کے نتیجے میں اسے زور کی کھانسی آگئی۔

"بس۔۔۔؟۔۔۔ کھل گئی پول بڑے میاں؟" خاتون نے طنز کیا۔

"تمیز سے بیگم صاحبہ۔۔۔! اتنا تو سوچ لیا کریں کہ میں کتنے ادب اور تہذیب سے تمہیں بیگم صاحبہ کہہ کر پکار تا ہوں اور تم ہو کہ سرعام یوں بڑے میاں کہہ کر بد تمیزی کا مظاہرہ کررہی ہو۔"

"تو مت کہا کریں بیگم صاحبہ۔۔۔ اتنا خوب صورت نام ہے میرا کل بہار نام سے پکار لیا کریں یا پھر خالی بیگم کہہ لیا کریں۔ اس طرح صاحبہ کا دم چھلا لگانے سے مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا' لوگ آپ کے بارے میں ہی غلط فہمی کا شکار ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہی سمجھیں گے کہ کوئی ملازم اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ بیٹھا ہے۔۔۔"

"تو پھر غلط فہمی کا شکار وہ آپ کے بارے میں ہوں گے بیگم صاحبہ۔" مرد نے بجائے تپ جانے کے' مزے لیتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"یہی کہ نہیں گے کہ بڑھیا کیسی آزاد خیال اور رنگین مزاج ہے اور کوئی نہیں ملا تو ملازم کے ساتھ پارک میں گھومنے نکل آئی ہوئی ہے۔"

"ارے۔۔۔ رے۔۔۔ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ شرم تو نہیں آتی۔ مجھے تو لگتا ہے ہموؤں کے سارے تعویذ گنڈے آپ پر الٹے پڑ گئے ہیں۔ آپ کا دماغ گھوم گیا ہے جو میرے پرھاپے کو سوا کر رہے ہیں۔ جائیں یہاں سے جاکر ٹہلیں۔"

"پھر تھکیں۔۔۔ ارے بھئی جاگنگ ہوتا ہے۔"

"کوئی بھی جنگ ہو خود جاکر کریں مجھ سے جنگ نہ کریں۔ مجھ سے جنگ کرنے کے لیے آپ کی اولاد اور ان کی بیویوں کا جتھا موجود ہے۔"

"بھئی اب اکیلے تو جاگنگ یا واک ہوتی نہیں ہم سے۔۔۔ چلو پھر گھر ہی چلیں۔" مرد نے انگڑائی لی۔

حمزہ اس وقت اپنی ساری سوچیں بھلائے ان دونوں کی عمر رسیدہ میاں بیوی کی دلچسپ نوک جھونک سننے میں محو تھا۔ اس کے امی ابو دونوں میں ایک عمر ساتھ گزار لینے کے بعد بھی ایک بچگانہ کا بردہ حائل تھا۔ وہ دونوں جبھی بھی اتنی بے تکلفی سے ایسی مزے کی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ امی کا مزاج شروع سے ہی بھاوا اور صلح جو تھا۔ شوہر کی ہاں میں ہاں ملانا ان کی عادت تھی' دوسری طرف ابو خواہ مخواہ اپنی ذات کا رعب اور دبدبہ قائم رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتے۔

"گھر میں کیا رکھا ہے؟" خاتون نے بے زاری سے کہا۔

"گھر میں۔۔۔؟" مرد جیسے سوچ میں پڑ گیا۔

"گھر میں ہمارے دو بیٹے۔۔۔ ہمارے بڑھاپے کا سہارا۔۔۔ ان کی دو عدد بیویاں۔۔۔ ہمارے ارمانوں سے لائی اور تمہاری نگوں سے پسند کی گئی ہموؤں ہمارے چار پوتے اور دو پوتیاں اور آج ہفتہ ہے شاید ہمارے بیٹی بیٹی آئی ہو۔ اس طرح گھر میں دو عدد بیٹوں' دو عدد ہموؤں اور چھ عدد پوتے پوتیوں کے علاوہ ایک عدد بیٹی' ایک عدد داماد اور دو عدد نواسوں کی موجودگی کا بھی امکان ہے۔"

"بس بس اپنے اعداد و شمار رہنے دیں شیخ صاحب! مجھے نہیں جانا گھر۔ ابھی ایک گھنٹہ بھی تو نہیں ہوا ہمیں گھر سے نکلے۔ میرا دل نہیں چاہ رہا اتنی جلدی اس پنجرے میں جانے کو۔"

"ایسا مت کہیں بیگم صاحبہ! جو بھی ہے وہ ہمارا گھر ہے۔ ہمارے بچے ہیں۔ ہمارے بچوں کے بچے ہیں۔"

"یہ بات وہ کیوں نہیں سمجھتے شیخ صاحب!"

پہلی بار خاتون کی کھنکتی آواز میں افسردگی گھلی ہوئی محسوس ہوئی۔

"سمجھ جائیں گے۔"

"وہ صرف اپنی بیویوں کی زبان سمجھتے ہیں۔"

"کہتے ہیں بچہ پیار کی زبان سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی بیویوں نے ان سے پیار کی زبان بولی اور اپنا بنا لیا۔۔۔ آپ بھی کچھ میٹھے بول بول کے دیکھیں بیگم صاحبہ!"

"ہاں ہاں۔۔۔ میں نے تو جیسے بندوق کی نوک پہ رکھ کے پالا ہے انہیں۔۔۔ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں شیخ صاحب! وہ شاید برا مان گئیں۔"

"یہ صرف بیوی کا پیار سمجھنے کے قابل رہ گئے ہیں۔ بس جو وہ کہہ دیں۔۔۔ وہی سچ ہے۔"

"کچھ سمجھوتا تم بھی کرلو۔۔۔ بدلتے وقت کے بدلتے تقاضوں کے آگے سر جھکا لینا چاہیے۔"

"میں کیوں سر جھکاؤں؟ وہ چھوٹے ہیں۔۔۔ وہ سر جھکائیں۔۔۔ غضب خدا کا۔۔۔ ماں باپ ہو کر ہم ان کے آگے جھکیں۔۔۔ اس گھر کا حاصل مجھ رہے۔۔۔ ہموؤں کے تھوپڑے نہ بنا کریں۔ اس کے لیے میں کیا نہیں کرتی۔ اپنا اور آپ کا ناشتہ خود بناتی ہوں کہ ہمیں عادت ہے نماز کے فوراً بعد ناشتہ کرنے کی۔۔۔ اور وہ ٹلموہیاں دن چڑھے تک بستر پہ اینڈتی کی عادی۔۔۔ ان کی نیند خراب نہ ہو اس لیے نہ صرف اپنا اور آپ کا ناشتہ بناتی ہوں بلکہ اسکول جانے والے دونوں بچوں کا ناشتہ اور ساتھ دینے والا لنچ بھی۔ یہ میں اپنی ہموؤں پہ احسان نہیں کرتی جو جتایا جائے۔ میرے پوتا اور پوتی ہیں وہ۔۔۔ میں خوشی خوشی ان کے سارے کام کروں۔۔۔ تکرار لے میں شکر یہ نہ سہی۔۔۔ تھوڑا سا پیار تو دیں۔ پھر بھی منہ سوجے رہتے ہیں۔ ایک وقت کا کھانا بھی بناتی ہوں۔ اکثر کچھ نہ کچھ میٹھا بنا دیتی ہوں۔ ان "ں کو تو توفیق نہیں ہوتی کبھی میٹھا بنانے کی۔۔۔ ایک

وقت کی سبزی ہی کچی پکی بھون دیں تو غنیمت جانو۔۔۔ نہ بھی کوئی کپڑا استری کرکے دیا' نہ بھی سر دبانے کو کہا اللہ کا شکر ہے آپ کی تنخواہ دیتے ہیں اور میرے ابا کے مکان کا کرایہ آتا ہے۔۔۔ خود ملازم کی تنخواہ دیتے ہیں اور بغیر کسی کی محتاجی کے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہی کپڑے دھو کر استری کرکے دے دیتا ہے۔۔۔ ہسپتال جانا ہو تو لے جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے کئی کام کردیتا ہے۔۔۔ صرف اس لیے کہ بارہ سو روپیہ مہینہ دیتے ہیں ہم۔ سوچیے اگر نہ دیا تے تو آج ہمارا بھانجا کس قدر خوار ہو رہا ہوتا۔ ان بے فیضوں کے آسرے پہ پڑے ہوتے۔۔۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے ان کا محتاج نہیں کیا مگر کیا بے بسی ہے۔۔۔ دل تو اب بھی ان کا محتاج ہے ان کی توجہ اور محبت کا بھوکا ہے۔ ہمیشہ کا ضرورت مند۔۔۔"

"اس پہ شکر کرو کہ بچے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔۔۔ صحت مند ہیں کماتے کماتے اور گن ہیں اپنی اپنی زندگی میں سیٹ ہیں اور ہمیں اس عمر میں کیا چاہیے۔۔۔ کم از کم ہمیں اب کسی اولاد کی جانب سے کوئی فکر تو نہیں رہتی۔ ایک بیٹا شہر کا مشہور پارٹ اسپیشلسٹ ہے۔ دوسرا شہر کا سب سے قابل وکیل۔۔۔ ایک بہو اعلیٰ تعلیم یافتہ' دوسری ذرا کم مگر حسن و خوب صورتی میں اپنی مثال آپ۔۔۔ سب کہتے ہیں کہ ایسی بیویاں پا کر میرے دونوں بیٹوں کی زندگیاں سنور گئیں۔"

"ہونہہ۔۔۔" خاتون نے سر جھٹکا۔

"اور اللہ کے فضل سے دونوں صاحب اولاد بھی ہیں اور ہماری اکلوتی بیٹی ہماری پیاری بیٹی وہ بھی اپنے گھر میں خوش اور مطمئن ہے۔"

"ہاں اتنی خوش۔۔۔ اتنی مطمئن کہ ماں باپ کو بھلا ہی دیا ہے اس نے اب اس کا سب کچھ اس کا شوہر' اس کے بچے اور اس کا سسرال ہے۔ وہی اس کی زندگی ہے۔ ہم تو جیسے کچھ ہیں ہی نہیں۔"

"کم عقل عورت۔۔۔ زندگی کے کسی معاملے پہ تو اللہ کا شکر کرنا سیکھو۔ لوگ بیٹیوں کے لیے یہ دعائیں

مانگتے ہیں کہ وہ اپنے سسرال میں اتنی مگن ہو جائیں کہ انہیں میکے کی یاد تنگ نہ آئے اور تم اس بات پہ مسرور ہونے کے بجائے الٹا اس سے شاکی ہو۔"

"تو کیا آپی شیخ صاحب! آپ جیسا دل نہیں ہے میرا جو دور برداشت بھی کرے اور پھر اس کے ہونے سے انکار بھی کرے۔ سچ کہیں کیا آپ کو بٹی کی یاد نہیں آتی؟ آپ کا دل نہیں چاہتا' ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے وہ مہینے میں کم از کم دو بار تو ہم سے مل جایا کرے۔ ہم تمانی کے مارے بوڑھے لوگ' گھر میں نو نو لوگوں کے ہوتے ہوئے سارا دن ٹکر ٹکر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے والے۔ ہمیں تھوڑا سا وقت دے دیا کرے کیا فرق ہے پھر اس میں اور ہماری دونوں بہوؤں میں ان کے پاس بھی ہمارے لیے وقت نہیں ہے۔ بیٹی کے پاس بھی نہیں ہے۔"

"خود کو مصروف رکھنے کے سو بہانے ہیں ہزاروں طریقے ہیں۔ صرف اولاد کا منہ دیکھنا چھوڑیں بیگم صاحبہ!"

"کون سے طریقے؟..... وہ جو آپ نے اپنا رکھے ہیں۔ اخباروں کے منحوس معمے حل کرتے رہنا..... ٹی وی پہ لگنے والے بکواس ترین بحث و مباحثہ کے سیاسی پروگرام دیکھنا ..... پرانے دوستوں کے ساتھ شطرنج کھیل کھیل کر دماغ میں خشکی پیدا کرنا ..... میں باز آئی ایسے مشغلوں سے اور ویسے بھی ان سے آپ کو کیا فائدہ ہوا ہے' جو سمجھے ہو گا؟"

"کیوں نہیں ہو گا فائدہ؟ تمہاری طرح بے کار بیٹھا فضول واہیات نہیں پالتا رہتا نہ الٹا سیدھا سوچ کر نفسیاتی مریض بنتا جا رہا ہوں۔"

"نفسیاتی نہ سہی مگر مریض تو بن گئے ہی۔ وہ ہارٹ اٹیک ایسے ہی نہیں ہو گیا تھا اس رہنے دیجیے شیخ صاحب! اُسی اور کے سامنے خود پردے ڈالیے گا مجھے مت بنائیے زندگی کے چھتیس سال گزار لیے ہیں آپ کے ساتھ کیا میں نہیں جانتی کہ اوپر سے مضبوط بنے رہنے کے باوجود آپ اندر سے مجھ سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ میں بول بول کر..... یا بہت دل بھر جائے تو رو دھو کر اپنی بھڑاس نکال لیا کرتی ہوں مگر آپ نے ہر غم اندر ہی اندر اتار اتار کے خود کو دل کا مریض بنا لیا ہے۔ بیٹوں کی بے اعتنائی' بہوؤں کی لاپروائی اور بیٹی کی خود غرضی ان سب نے آپ کو بھی اتنا ہی دکھ پہنچایا ہے جتنا مجھے۔"

"مگر میں تمہاری طرح اپنے دکھوں کے اشتہار نہیں چپکاتا پھرتا۔" وہ چڑ کے بولے۔

"میں بھی دل کی بات صرف آپ سے کر رہی ہوں' دھنڈورا نہیں پیٹ رہی۔ کیا آپ انسان شریک زندگی سے بھی دکھ سکھ نہ بانٹیں؟"

"ضرور بانٹیں۔ مگر دکھ اور سکھ دونوں..... سکھ تو پتہ نہیں کہاں اکیلے اکیلے اڑا آتی ہے ..... دکھوں میں میرا حصہ فوراً لے کر آجاتی ہے۔"

حمزہ ایک بار پھر مسکرا دیا۔ حالانکہ اس کا دل ان خاتون سے بے حد ردی محسوس کرتا ہے حد گداز ہو رہا تھا۔

"چلیں اب گھر چلیں بچے پریشان ہو رہے ہوں گے کہہ بڑھاپا بھی کہاں موج اڑا رہے ہیں۔"

"لو ..... ابھی ان کی لاپروائی اور بے اعتنائی کے رونے رو رہی تھیں' کہاں یہ کہہ رہی ہو کہ وہ فکر مند ہو رہے ہوں گے۔"

"فکر مند نہیں' صرف پریشان ہو رہے ہوں گے وہ بھی اس لیے نہیں کہ ہمیں کچھ ہو نہ جائے بلکہ اس لیے کہ گھر کے بہت سے کام رکے ہوں گے۔ بچے ماؤں کے سر چڑھ کے بلا مچا رہے ہوں گے۔ انہیں سنبھالنے کے لیے آپ جو ہیں' آپ ہی راہ تک رہی ہوں گی آپ کی چہیتی بہوؤں کی' آپ آئیں اور وہ آپ کے سر پہ اپنے بچے چھوڑیں ..... کوئی سودا سلف منگوانا ہو تب بھی' آپ موجود' ظاہر ہے ملازم قابل بھروسہ جو ہیں' ڈنڈی مارو سے گاہیوں میں بھی اور سودے میں بھی۔ رہی میں تو جب تک میں سبزی نہ کاٹ لوں' گوشت دھو کر نہ رکھوں' بیگم صاحبہ کھانا نہیں پکاتیں۔ آج تو مجھے بتانے کے لیے بھی مجھے ہی کہا ہے۔ بس اب چلیں گھر ..... ورنہ ساری اولاد مل کے ہماری قصیدہ گوئی کر رہی ہو گی۔"

"ہاں بھئی چلو ....." وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھے۔

ہشاش بشاش لہجہ تھکن لیے ہوئے تھا۔ جیسے گھر والوں جانے کے خیال سے دل بجھ گیا ہو۔ حمزہ کو لگا' خاتون کی تمام شکایتیں' جائیں اور ان کے شوہر صرف ان کا دھیان بٹانے اور درد کم کرنے کے لیے اسے ان کا وہم اور غلط فہمی قرار دے رہے تھے ورنہ دل سے وہ بھی شاید اپنے بچوں کے لیے بہت سے گلے رکھتے ہوں گے۔ گھر والیں جانے کے خیال سے بجھتا چہرہ ٹوٹتا لہجہ اور تھکے تھکے قدم اس بات کے گواہ تھے۔

"ہاں ..... گھر تو اپنا ہی ہے۔ کب تک فرار حاصل کر سکتے ہیں۔ آخر جانا تو ہے ہی۔"

خاتون بھی اٹھ گئیں اور گہری سانس لے کر تازہ ہوا اپنے اندر اتاری جیسے کسی گھٹن زدہ کوٹھری میں جانے سے پہلے اپنے اندر توانائی بھر رہی ہوں۔

"پھر بھی اپنا ہے اور گھر والے بھی ..... جیسے بھی ہیں' ہمارے اپنے بچے ہیں وہ۔" بیگم کا ہاتھ پکڑ کے وہ آگے بڑھے۔

"یہی تو زندگی ہے بیگم ..... ! ہمارے بیٹے' بہوئیں ..... پوتے' پوتیاں' نواسا' نواسی' بیٹی' داماد کا مکمل گھر بھرا ہوا تو ہے' چاہے وہ....."

"رہنے دیں شیخ صاحب! خود کو دھوکا دینا بند کریں۔ میں بھی تنگ آچکی ہوں اپنے آپ کو یہی سب کہہ کر بہلاتے ہوئے۔"

ان کے جاتے جاتے کہے یہ آخری فقرے حمزہ کے کانوں میں گئے اور وہ بھی اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

ان کے پیچھے پیچھے ست روی سے چلتے ہوئے وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ مجھے یہاں باندھ کے رکھ لینے سے آپ کو بہت سکھ مل جائے گا۔ فرض کیجیے' میں آپ کی ضد مان کے یہاں آبھی جاؤں اپنی کلی اکائی ملازمت چھوڑ بھی دوں تو یہاں آکر کروں گا کیا؟ جو جتھا تو میرے پاس کوئی ہے نہیں' تعلیم ایسی

موٹاپے سے نجات

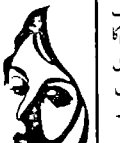

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے، ہوتا یا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح چہرے پر مہاسے کیل، جھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔ خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

Wahid's JAUHAR-E-HAZMI®

واحد کا جوہر ہاضم®

موٹاپا، پیٹ کا بڑھ جانا، معدے کی گرانی و تیزابیت۔ کیل مہاسے، چھیپ، جھائیاں دور کرے

قیمت =/60 روپے

واحد Wahid Herbs Lab

ڈسٹری بیوٹرز

لاہور
021-5212257
042-7666454
042-7666454
021-2626295
042-6681865
042-7651872

ملتان
061-4576350

فیصل آباد
041-2632535

سرگودھا
0483-724376

حیدر آباد
022-2720195
022-2780195
022-3064094

نہیں کہ آتے ہی تیس چالیس ہزار ماہانہ والی تنخواہ مل جائے کاروبار کا نہ تجربہ نہ سرمایہ میری تو زندگی برباد ہو گی ہی آپ بتائیے آپ کو کیا ملے گا؟ ابھی میں بیس سے تیس ہزار ماہانہ آپ کو خرچا بھیجتا ہوں' آپ نے فل ٹائم ملازم رکھا ہوا ہے' ہر سہولت' اچھے سے اچھا علاج مہیا ہے۔ تب کیا ہو گا؟ اپنے بچوں کا یا یہ گھر چلاؤں گا؟"

اس نے راستے میں یاد کیا ہوا سبق کسی رٹو طوطے کی طرح دُہرانا شروع کیا۔ حالانکہ شام کو اس نے طے کیا تھا کہ اب وہ اس موضوع پہ ابو جان سے کوئی بات نہیں کرے گا کیونکہ وہ کچھ سُننے پہ تیار ہی نہ تھے۔ لیکن اب اس کے سامنے سوچ کا ایک نیا در کھلا تھا اور اس نے اسی زاویے سے انہیں سمجھانا چاہا تھا۔ یہ الگ بات کہ نیاز احمد نے اس کی تقریر کا صرف ابتدائی اور تمہیدی حصہ سن کر ہی ٹوک دیا۔

"رزق کی کمی کا رونا مت روؤ۔۔۔ جتنا نصیب میں لکھا ہوا تنا ہی ملتا ہے اور ہر جگہ ملتا ہے۔ اگر تمہارے نصیب میں اللہ نے رزق کی برکت لکھی ہے تو چاہے پاکستان آ کے ہی رہ جاؤ۔۔۔ برکت برکت ہی رہے گی اور اگر خدانخواستہ تنگی لکھی ہے تو وہ ڈالروں پونڈوں والے ملکوں میں بھی سہنی پڑ سکتی ہے۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم اس آخری عمر میں تمہیں اور تمہاری بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان دنوں کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانا چاہتے ہیں۔ یہ سمجھ لو ہمارا حق ہے۔"

"آپ کی یہی غلط فہمی تو میں دور کرنا چاہتا ہوں کہ قریب ہونے میں ہی سکھ ہے۔ میں سات سمندر پار ہوں مگر میرے بچوں کا میری بہن کے بچوں سے روز رات ہی نیٹ پہ رابطہ رہتا ہے۔ میں ہفتے میں تین بار آپ کو ایک ایک گھنٹے کا فون کرتا ہوں۔ آپ میرے لیے۔۔۔ اور میں آپ دونوں کے لیے فکر مند رہتا ہوں۔ محبت کرنے اور خیال رکھنے کے لیے ساتھ رہنا ضروری نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دور سب لوگ بھی سکھی ہوتے جو بیٹوں بہوؤں کے جھگڑے میں رہتے ہیں۔ دور کیوں جائیے۔ اپنے دوست وکیل قیصر کے نئے کرائے داروں کو ہی دیکھ لیجیے۔"

نیاز احمد چونکے۔

"ان کا یہاں کیا ذکر اور تم کیسے جانتے ہو انہیں؟"

"آج شام کو ہی ملا تھا شیخ صاحب سے آپ تو جانتے ہی ہوں گے کہ وہ کتنے بھرے پرے خاندان والے ہیں مگر کبھی آپ اپنی اور ان کی زندگی کا موازنہ کیجیے۔۔۔ اور پھر انصاف سے کام لیتے ہوئے مجھے بتائیے کہ کیا آپ ان سے بہتر حال میں نہیں ہے؟"

نیاز احمد نے اپنی بیگم کو دیکھا۔ وہ بھی کچھ سوچتے ہوئے اپنے آنسو صاف کرنے لگیں۔

"حمزہ ٹھیک کہہ رہا ہے ہمارے ابو۔ ان کے مقابلے میں ہم بہتر ہی نہیں خوش نصیب بھی ہیں۔"

"مگر۔۔۔" وہ کچھ کہنے لگے پھر سر جھٹک کے خاموش ہو رہے۔ ان کی خاموشی نے حمزہ کا حوصلہ بڑھایا کہ کوئی بات تو ایسی ہے جو اس کے ابو جان کو بحث کرنے پہ مجبور کر سکتی ہے۔

"سو قیصر خوش نصیب ہیں۔ انہیں دیکھ لیں' بیٹے بھی پاس ہیں' بہو میں بھی۔۔۔ پوتے پوتیوں سے گھر بھرا ہے گردونواح کتنے اکیلے ہیں۔ سکون حاصل کرنے کے لیے گھر سے فرار حاصل کرتے ہیں اور باہر پناہ تلاشتے پھرتے ہیں۔"

نیاز احمد اور ان کی بیگم دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔ نیاز احمد نے ایک گہری سانس لی۔

"تم صحیح ہو حمزہ۔! واقعی ہم ان کے مقابلے میں لاکھ درجے خوش قسمت ہیں ہمارا بیٹا ہم سے سات سمندر پار ہے' سالوں بعد شکل دکھاتا ہے ہماری بیٹی چاہتے کے باوجود کئی کئی دن ہم سے ملنے نہیں آ سکتی کیونکہ وہ اپنے بال بچوں اور سسرال میں مصروف ہے۔ مگر ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارا بیٹا دور سہی۔۔۔ بیٹی مصروف اور ذمہ دار سہی مگر ہے تو سہی بے چارے شیخ صاحب اور ان کی بیگم جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہو وہ تو اس نعمت سے ہی محروم ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"بے اولاد ہیں دونوں۔"

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔" اس انکشاف نے اسے ہکا بکا کر دیا۔

"وہ تو۔۔۔ میں نے خود سنا ہے۔۔۔ وہ دو بیٹے چار پوتے۔۔۔ بیٹی داماد۔۔۔ وہ تو اسی۔۔۔" وہ بکلانے لگا۔

"یہاں آئے انہیں دو سال ہونے والے ہیں۔ آتے ہی سب کو انہوں نے یہی سب بتایا تھا تو تم جانتے ہو گے جلد ہی سب حقیقت جان گئے۔ وہ بے اولاد ہیں اور شادی کے پینتیس سال بعد یہ محرومی جیسے ان کے اندر تک اتر کے انہیں ذہنی مریض بنا چکی ہے۔ وہ ایک نارمل زندگی جی رہے ہیں۔۔۔ ہر اعتبار سے نارمل۔۔۔ مگر اس ایک معاملے میں وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے ایک خیالی زندگی جی رہے ہیں۔"

حمزہ فکر مند ابو جان کی شکل دیکھنے لگا جو اسے حیران کر رہے تھے۔

"میں ایک بار ان سے ملنے گئی تو بے چاری رسالوں میں سے تصویریں کاٹ کاٹ کر انہیں دکھا رہی تھیں۔۔۔ کہ میرا نواسا ہو نا تو بالکل ایسا ہو نا۔ پوتی ہوتی تو ایسی ہی پونیاں بناتی' بالوں کی۔۔۔ میرب ہوتی تو ایسا ہی سوٹے کا سیٹ بنواتی اس کا' اس کے بعد دوبارہ جانا ہوا تو یہ سب تصاویر فریم ہو کر دیواروں پہ لگی تھیں وہ بھی اور چند ایک دوسری بھی اور ان سب سے تعارف انہوں نے یہی کہہ کر کروایا کہ یہ ان کے بیٹے بیٹی' بہوویں اور ان کے بچوں کی تصویریں ہیں۔"

"شاید وہ خود کو یہی دھوکا دیتے ہوں کہ اگر ہمارے بچے ہوتے تو ہم یہی زندگی جی رہے ہوتے۔ ناقدری کی۔۔۔ محرومی کی' وہ خود کو یہ احساس دلانا چاہتے ہوں کہ اولاد کے نہ ہونے سے انہیں وہ دکھ بھی جھیلنا نہیں پڑے جو بری اولاد کے ہوتے ہوئے سہنا پڑتے ہیں۔ پتا۔ ایک دھوکا آج کے بعد ہم بھی خود کو دے لیا کریں گے۔۔۔ ایک دوسرے کو یہ کہہ کر بہلا لیا کریں گے کہ۔۔۔"

نیاز احمد کی آواز بھرا گئی اور وہ بھیگی پلکیں مسلتے وہ باہر نکل گئے۔

حمزہ کی تیاریاں مکمل تھیں۔۔۔ وہ اسی ڈیٹ کو واپس جا رہا تھا جس ڈیٹ کی سیٹ اس نے کنفرم کرائی تھی۔ امی جان کے لاکھ کہنے پہ بھی اس نے سیٹ آگے نہیں کروائی تھی۔

ایمبرپورٹ تک بھی اس کے ماتھے پہ ایک الوداعی بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"کیا تھا تو جو میرے کہنے پہ تم ایک ہفتہ اور رُک جاتے تو۔۔۔ کچھ دن اور میرے لیجیے میں محظوظ ہو جاتی۔"

"بس بھی کرو کلثوم بی بی۔۔۔! جاتے وقت اس کا دل برا مت کرو۔"

حمزہ نے حیرت سے دیکھا۔

یہ بات کہتے نیاز احمد جتنے عجیب لگ رہے تھے اتنے ہی افسردہ۔

"اسے جانا ہی ہے۔۔۔ چاہے ابھی جائے چاہے ہفتہ بھر بعد۔۔۔ جانا تو ہے ہی۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں ابو جان! جانا تو ہے ہی۔۔۔ پھر ایک ہفتہ اور رکوں یا نہ رکوں کیا فرق پڑتا ہے جلد ہی جاؤں گا تو جلدی واپس آؤں گا نا۔" اس کی بات پہ امی جان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اس بار تم جلدی واپس آؤ گے؟"

"جی۔۔۔ بہت جلدی نہ صرف میں بلکہ زویا اور بچے بھی۔"

"سچ کہہ رہے ہو حمزہ۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ مگر مجھے اس کے لیے کچھ وقت چاہیے۔۔۔ بس ڈیڑھ دو سال اس کے بعد میں فیملی لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

نیاز احمد نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"کہنا تو نہیں چاہتا تھا' اس بار کے کسی اور میچنگ پہ شیخ صاحب اور ان کی بیگم کی طرح میرے ماں باپ بھی اپنے بڑھاپے اور تنہائی کو خود فریبی کے سہارے دے رہے ہوں۔"

اس نے ان کے گلے لگتے ہوئے سوچا۔